مستقبل کے فقہاء کیلئے تاریخ کے جھروکوں سے

# مشرق مغرب اور تہذیبوں کا مکالمہ

ڈاکٹر وحید عشرت، ڈپٹی ڈائریکٹر
اقبال اکیڈمی پاکستان، لاہور

## (دوسری قسط)

ہمارے متقدم علما پر یہ الزام رہا ہے کہ وہ تقلید پر ریجھے ہوئے ہیں اور کورانہ تقلید کی وجہ سے عصر حاضر میں مسلم امہ کو جو مسائل درپیش ہیں وہ ان کا حل پیش کرنے سے قاصر ہیں۔ ان کے دعوے کے مطابق کوئی پانچ سو سال سے الہیات اسلامیہ پر جمود کی کیفیت طاری ہے۔ کئی صدیوں سے عالم اسلام پر ذہنی غفلت اور بے ہوشی چھائی ہوئی ہے اور مسلم ایشیا اور افریقہ کی نئی پود کا مطالبہ ہے کہ ہم اپنے دین کی تعلیمات پھر سے اجاگر کریں اور الہیات اسلامیہ کی نظر ثانی بلکہ ممکن ہو تو تشکیل جدید کریں۔ یہ بالکل بجا۔ مگر جس طرح ماضی میں معتزلہ اور ابن سینا، ابن رشد، ابن عربی اور دوسرے مسلم متکلمین نے اسلامی علم کلام کی تشکیل کرتے ہوئے یونانی افکار سے فلو اور فلاطونس کی پیروی میں تطبیق کی اسی طرح اگر عصر جدید میں مغربی طبیعات کیمیا اور نفسیات کے حاصلات سے تطبیق ہی کرنا ہے اور اسلامی اعتقادات اور تعلیمات کو لچکا موڑا کران کے قالب میں ڈھالنا ہے تو اس کام سے کونسا ثواب دارین حاصل ہوگا اور اس سے عصر جدید میں مسلم نوجوانوں کا کونسا مطالبہ پورا ہوگا اور کس طرح ان کا مقدر سنورے گا۔ میں اس کی تفہیم سے قاصر ہوں۔ تطبیق کا سب سے خوف ناک پہلو یہ ہے کہ قدمانے یونانی مفکرین کے افکار کو بغیر کسی نقد و جرح کے درست مان لیا ان کو اصول اولیہ تسلیم کرلیا اور افلاطون، ارسطو، فلو اور فلاطونس کے حاصلات پر ایمان لے آئے کہ وہ نتائج درست ہیں دوسری طرف ایمان کا بھی تقاضا تھا کہ قرآن کی تعلیم بھی درست ہے اب یونانی فکر کی اساس تو عقل اور منطق پر تھی اسے یہ کسی طور جھٹلا نہ پائے تو انہوں نے اپنے ایمان کی مضبوطی کے لئے قرآن کی تاویلات کر کے انہیں ان عقلی حقائق کے مطابق ڈھال کر اسلام کی خدمت فرمادی۔ ہمارا بیشتر اسلامی عقلیات اور علم کلام کا سرمایہ اسی کی نظیر ہے اور یہی روش ہم نے سرسید اور اقبال کے توسط سے برصغیر میں بھی رائج کی اب بظاہر قرآن کی جو جو چیز ہمیں عقل، فطرت اور فہم عامہ کے مطابق نظر نہ آئی اس کی توجیہہ، تاویل

☆ جس نے قبل از وقت کسی شی کے حصول کی کوشش کی اسے اس سے محرومی کی سزا دی جائے گی ☆

ورتخریج کر دی۔ اس سے جنت ودوزخ مقامات کی بجائے احوال میں تبدیل ہوگئے۔ جنات کو اجڈ ور وحشی لوگوں پر قیاس کیا گیا وحی کو ابن صیاد کے توہمات اور جدید نفسیات کے نفسی مشاہدات پر قیاس کرتے ہوئے مذہبی مشاہدات سے جواز دینے کی سعی کی گئی۔ قرآن کی اس قدر مفاہمانہ، معذرت خواہانہ اور مفعولانہ تعبیرات اور تطبیقات پر عقل ودانش کو بھی صرف رونا ہی آتا ہے کہ آخراس کھکیڑ کی ضرورت ہی کیا ہے۔ ہم اپنا ناک ہر طرف مروڑتے مروڑتے کہیں ناک ہی نہ گنوا بیٹھیں۔ تاریخ کے اس المیے پر ہمیں آج تو کم ازکم سوچ لینا چاہیے، کہ اس تطبیق سے اسلام اور قرآن کی ہم نے کیا خدمت کی ہے؟ ایک اور فراڈ rationalization کا بھی ہمارے ساتھ کھیلا گیا ہے۔ قرآن جب خود غور و فکر کی دعوت دیتا ہے تو اس قرآن کی تعلیمات کی rationalization کے معنی کیا مرتب ہوتے ہیں کہ قرآنی معتقدات اور قرآنی تعلیمات کو عقلیت سے ہم آہنگ کرنا ابھی باقی ہے مجھے تو اس تصور کے بودے پن سے ہی گھن آتی ہے۔ یہ بھی دراصل تطبیق اور موافقت کی تلاش کا ہی دوسرا نام ہے۔ میں ہر اس تصور کو باطل سمجھ کر مسترد کرتا ہوں جس میں قرآن ثانوی درجے میں عملی طور پر چلا جائے۔ ہمیں قرآن کا کوئی تصور سمجھ میں نہیں آتا تو یہ کہنے میں کیا برائی ہے کہ ہم ابھی اس کی تفہیم سے قاصر ہیں ممکن ہے کہ آنے والے وقت میں کوئی اور بہتر تفہیم دینے والا ذہن پیدا ہو جائے ہم کیوں کھینچا کھانچی میں پڑنا چاہتے ہیں۔ خود سائنس کے ماضی کے بے شمار تصورات اور قصے مثلاً زمین سائنس دانوں کے ہاں پہلے ساکن تھی، کائنات کا مرکز تھی، چپٹی تھی۔ اب یہ تصورات بدل گئے ہیں۔ پہلے مادہ ناقابل فنا، ناقابل تحویل اور قابل دید تھا۔ اب مادہ قابل فنا بھی ہے اور اپنی صورت توانائی کی لہروں میں بھی بدل لیتا ہے اور نظر بھی نہیں آتا۔ پہلے سورج گردش کرتا تھا۔ اب زمین گردش کرتی ہے۔ مطلب یہ ہے کہ سائنس کے تصورات اور نظریات بھی حتمی نہیں کہ وقت کے ساتھ ساتھ نئے علوم کی دریافت سے یہ بھی بدل جاتے ہیں۔ اب rationalization میں ہم سائنس اور علوم کے تصورات کو حتمی اور قطعی اور ناقابل تغیر تصور کر لیتے ہیں اور ان کی اولیت پر ایمان لا کر قرآن کو ان کے مطابق کر کے انہیں عقل کا بپتسمہ دیتے ہیں۔ تیسرا پاکھنڈ حال ہی میں سامنے آیا ہے جو شہید اسماعیل راجعی کے نام سے زیادہ شہرت رکھتا ہے اور وہ ہے islamization of knowledge یعنی علوم کو اسلامی کرنا۔ گزشتہ بیس تیس سال سے امریکہ میں انہوں نے یہ سلسلہ شروع کیا اور پاکستان کے علاوہ عالم اسلام کے دیگر ممالک پر اس کے اثرات مرتب ہوئے۔ اس کا ایک سادہ سا مفہوم یہ ہے کہ مغربی علوم کافر ہیں اور انہیں کلمہ پڑھایا جائے اگر آپ بغور اس تصور کو دیکھیں گے تو یہ بھی تطبیق وتوافق کی اسلامی علوم سے

کوشش سے عبارت ہے۔اس کے پیچھے یہ شکست خوردگی ہے کہ عالم اسلام تو علوم میں بہت پیچھے رہ گیا ہے۔ لہٰذا مغرب نے جو سائنس اور ٹیکنالوجی میں ترقی کی ہے اور جو عمرانی علوم حاصل کئے ہیں ان کو اسلام کے مطابق ڈھالا جائے۔ یہ کون کرے گا اور کس طرح ہوگا۔ یہ اپنے تصور سے بھی زیادہ مضحکہ خیز ہے۔ ہمارے عصر جدید کے علمائے علم وفن جن کی تربیت مغربی دانشگاہوں میں ہوئی ہے اور جن کے سینے میں بجا طور پر اسلام کا درد ہے اور وہ اپنی نیت میں بھی مخلص ہیں اور مسلمانوں کی پسماندگی پر جن کا دل کڑھتا ہے یہ تین رویے اختیار کئے ہوئے ہیں۔ جن کا ہمارے ماضی میں بھی تسلسل موجود ہے اور جوان کے نزدیک حال میں اپنا کر ہم بھی دنیا کی ترقی یافتہ قوموں کے ساتھ شانے سے شانہ ملا کر چل سکتے ہیں۔اس سے پیشتر کہ میں کچھ عرض کروں دو تین باتیں واضح کر دینا ضروری سمجھتا ہوں۔

پہلی بات یہ کہ میں کسی بنیاد پرستی، قدامت پسندی یا رجعت پرستی کی طرف مسلمانوں کو نہیں بلا رہا۔ اگر چہ میں قرآن کی تعلیمات، اس کے اعتقادات اور قرآن کی وحی پر ایمان کو شرط اول قرار دے رہا ہوں مگر میں کرسچین فنڈا منٹلزم کی طرز پر مسلم فنڈا منٹلزم یا اردو میں معروف اصطلاح بنیاد پرستی کا قائل نہیں ہوں کہ قرآن کی کسی ایسی تاویل اور تعبیر کی وکالت کروں جو کسی خاص فرد یا فرقے کے ساتھ مخصوص ہے اور نہ میں خود کسی نئے فرقے یا مکتب فکر کی اساس رکھ رہا ہوں اس لئے کہ اسلام میں پہلے ہی فرقے بہت ہیں اور وہ اپنے اپنے نقطہ نظر میں اتنے راسخ ہیں کہ ان کے ہاں کسی اور تعبیر وتاویل کی پذیرائی کی ذراسی بھی گنجائش نہیں بلکہ یہ فرقے اصول یا اصل پر اکٹھے ہونے کی بجائے فروعات پر لڑ رہے ہیں۔ اور عالم اسلام اس فرقہ واریت کی بنا پر نہ صرف پسماندہ ہے بلکہ عجیب انتشار اور بربادی کا نقشہ پیش کرتا ہے۔ حالانکہ یہ تمام فرقے اسلام کی اصل تعلیمات واعتقادات پر ایک ہو سکتے ہیں اور فروعی فقہی یا سیاسی اختلاف کو اپنی ذات یا اپنے فرقے تک محدود کر سکتے ہیں۔ اور کسی دوسرے فرقے کو انہیں اپنے فروعی اور ذیلی تصورات اپنانے پر مجبور کرنے کی کوئی ضرورت نہیں۔ اگر حضرت ابوحنیفہ، حضرت امام مالک، حضرت امام شافعی اور حضرت امام ابن حنبل کی فقہی تعبیرات ایک دوسرے سے مختلف ہونے کے باوجود قرآن وسنت اور احادیث کی تعبیرات ہیں تو دوسرے آئمہ کی فروعی تعبیرات کو بھی قرآن وسنت کی محض تعبیرات ہی سمجھنا چاہیے بشرطیکہ وہ مبنی بر اخلاص اور قرآن وسنت کے اصل الاصول کے منافی نہ ہوں۔ دوسروں کے لئے برداشت اختلاف کا حق اور فروع میں تعبیر کی گنجائش کو قبول کرنا چاہیے تاہم بنیادی اصولوں میں کسی رعایت کی کوئی گنجائش نہیں۔ نبی آخرالزمان کے بعد اگر کوئی مدعی نبوت ہے تو بقول اقبال وہ شرک فی النبوت کر رہا ہے اور وہ دائرہ اسلام سے خارج ہے۔

میرا یہ مؤقف بھی نہیں کہ ماضی میں مسلمانوں نے جو کچھ کیا ہے وہ سارا دریا برد کرنے کے لائق ہے۔ ابوالعلا معری نے مسلمانوں کی پسماندگی کا نقشہ کھینچتے ہوئے ہمارے ماضی کے طرز پر لکھتے ہوئے کہا تھا کہ امام غزالی اور امام اشعری نے مسلمانوں میں فکر ودانش کا دروازہ بند کر کے تقلید پرستی کو رواج دیا اور اس کے بعد مسلمان غور وفکر کی بجائے تفسیریں وحواشی اور شرحیں لکھنے میں اپنی صلاحتیں غارت کرنے لگے۔ پھر خلاصے لکھے جانے لگے اور پھر خلاصوں کے خلاصے۔ یوں خردافروزی اور دینی فکر میں تخلیقی سوچ ماند پڑنے لگی۔ ہمارے علمی زوال کے سبب ترقی رک گئی اور دین میں تقلید پرستی عام ہونے لگی جو سقوط بغداد، سقوط اندلس اور سقوط دہلی پر منتج ہوئی۔ حالانکہ اگر ایسا نہ ہوتا اور مسلمان فکر ودانش کا دروازہ بند نہ کرتے تو جو سائنسی، علمی اور عمرانی علوم میں ترقی ہو رہی تھی اس سے مسلم تہذیب زوال آمادہ نہ ہوتی اگرچہ یہ سارا ارتقا یونانی تہذیب کی ہی مسلم دنیا میں نمو پذیری کے سوا کچھ نہ تھا تاہم جس طرح طب یونانی طب اسلامی بن کر مسلمانوں میں فروغ پا کر معروف ہو چکی تھی اس طرح یونانی علم وحکمت مسلمانوں میں رواج پا کر اسلامی تہذیب کے طور پر معروف ہوگئی تھی۔ کہیں کہیں البتہ قرآن سے استشہاد اور استناد بھی کر لیا جاتا تھا۔ بلاشبہ اقبال کے بقول موجودہ یورپی تہذیب اسلامی تہذیب کی توسیع وارتقا ہے مگر اس اسلامی کا جو اپنی اصل میں یونانی تھی اور مسلمانوں میں پروان چڑھی۔ اس نے یونان سے بغداد اور پھر واپس لندن پیرس برلن اور وی آنا کی طرف مراجعت کر لی تو قرآن کی حکمت کے اثرات بھی جزوی طور پر اس پر پڑے مگر اس کا بنیادی طور پر مجموعی مزاج اور منہاج قرآنی نہیں تھا۔ بلکہ یہ یونانی تہذیب کا عربی ایڈیشن تھی۔ یونانی اور یورپی اثرات کے باوجود مسلم دنیا میں امید کی ایک کرن ہمیشہ موجود رہی ہے اور وہ یہ کہ اپنی تمام ترکوتاہیوں کے باوجود اور انٹ شنٹ تعبیرات کے باوصف تمام علماء، اہل حکمت اور اہل سائنس مسلمانوں نے قرآن سے رابطہ رکھا۔ ہمارے لئے یہ رویہ بڑا حوصلہ افزا ہے۔ بالخصوص قرآن کے مفسرین، محدثین، اہل فقہ، سیرت نگار اور علما کے ایک بڑے طبقے نے قرآن وسنت اور سیرت رسول ﷺ اور اسلام کے دور اول کے فقہی فیصلوں اور آثار کو مرتب کر کے اہم خدمت انجام دی اور وہ بنیادی ماخذات محفوظ کر دیئے جس سے ہم سیرت رسول ﷺ اسوہ صحابہؓ اور سنت رسول کی روشنی میں قرآن کے منہاج اور طرز استدلال اور اصول وضوابط مرتب کرنے میں رہنمائی حاصل کر سکتے ہیں۔ اور ایسے اصول وضع کر سکتے ہیں جس سے ہم اپنے سے ماقبل یعنی مسلمانوں کے دور نمو، دور عروج اور موجودہ حالات ومسائل اور دنیا بھر کے علوم وفنون کی پرکھ اور جانچ کے سلسلے میں معیارات وضع کر سکتے ہیں۔۔ (جاری ہے)

☆ الحكم يتبع المصلحة الراجحة ☆ حکم مصلحتِ راجحہ کے تابع ہوا کرتا ہے ☆